

239417- حقیقی اسلامی تربیت کیسے ممکن ہے؟

سوال

بہت سے حفاظ قرآن آپ کو معاشرے میں مل جائیں گے کیونکہ قرآن مجید حفظ کروانے والے اساتذہ موجود ہیں، بہت سے لوگ فض جانتے ہیں کیونکہ علمائے کرام اور مشائخ موجود ہیں، لیکن ایک مسئلہ ہے جسے ہم بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ جب ہم لوگوں کے ساتھ اٹھتے ہیں ان کے ساتھ چلتے ہیں یا انہیں دیکھتے ہیں تو ہمیں تربیت کا فقدان نظر آتا ہے، دوسرے لفظوں میں تربیت کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے جو کہ معاشرے کیلئے انتہائی تباہ کن صورت حال ہے؛ تو سوال یہ ہے کہ تربیت کنندگان کدھر ہیں؟ تربیت کیسے ممکن ہے؟ شرعی علوم کے نصاب میں تربیت کیسے شامل ہو سکتی ہے؟ تربیت کے بغیر علم کا کیا فائدہ؟ اور ہمیں اس بات کا ادراک کیوں نہیں ہے کہ اساتذہ کے ہاں تربیت کا فقدان کیسے ہوا؟ انہوں نے تعلیم کا شعبہ کیسے اپنایا؟ اور تربیت کے حوالے سے جہاں تک گھر والوں کا تعلق ہے ان کا توکوئی حال ہی نہیں ہے، گھر کی چار دیواری میں تربیت کا فقدان آخری حدود تک پہنچ چکا ہے!

ہم تربیت کرنے والے افراد کیسے تیار کریں؟ کیا تربیت کوئی مستقل علم ہے یا اہل علم اور دانش کے فہم کا نام تربیت ہے؟ سابقہ لوگوں میں سے علمائے کرام، شاہان، سلاطین اور نامور شخصیات سے لیکر عام لوگوں تک اپنی اولاد کی تربیت کرنے کا کیا طریقہ اپناتے تھے؟

پسندیدہ جواب

یہ بات کسی سے بھی مخفی نہیں ہے کہ اس وقت علم اور عمل دونوں میں جدائی اور راڑیں پڑھکی ہیں، معرفت اور تربیت جدا جاہو چکے ہیں، اس بات سے بہت سے عام و خاص لوگ واقف ہیں، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگوں نے یہ سمجھ یا ہے کہ تربیت اصل میں نظریاتی پھیز ہے، اس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ والدین اپنے بچوں کے ذہنوں کو مختلف علوم و فنون سے بھر دیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تربیت سے متعلق تحقیقی مقالہ جات اور کتب تک رسائی ہو، یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے شرعی نصوص کو صرف فنون و معارف پر بند کر دیا اور اس میں جو تربیتی پہلو تھا اس سے پہلو تھی کری۔

اس کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے فرمان باری تعالیٰ:

إِنَّمَا مُنْجِيُ اللَّهُ مِنْ عَبَادِهِ الْعَلَمَاءُ۔ [غافر: 28] کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ میشک اللہ تعالیٰ سے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔

اور اس آیت کو ہر شخص پر فٹ کر دیا جو کسی بھی علم کا جانے والا ہے چاہے وہ شرعی علوم ہوں یا دنیاوی فنون، حالانکہ آیت میں کا مطلب یہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے۔

شیع الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "مجموع الفتاویٰ" (7/539) میں کہتے ہیں:

فَرَمَّانَ بارِيَ تَعَالَى : **إِنَّمَا مُنْجِيُ اللَّهُ مِنْ عَبَادِهِ الْعَلَمَاءُ**۔ [غافر: 28] اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے، یہ معنی درست اور صحیح ہے، اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ جو بھی عالم ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ "انتہی"

اسی طرح ایک اور جگہ "مجموع الفتاویٰ" (7/21) میں کہتے ہیں:

"معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے صرف عالم ہی ڈرتا ہے؛ چنانچہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے، جیسے کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا:

أَمَّنْ يُوَقَّنُتْ أَتَاءَ اللَّهِ لِلْأَلِيلِ سَاجِدًا وَقَاعِدًا سَخَرَ الْأَجْرَ وَرَزِّ حُمَّةَ رَزِّهِ قُلْ لِمَنْ يَسْتَوِي الَّذِينَ لَمْ يَأْتُمُونَ۔

ترجمہ: کیا (ایسا شخص بہتر ہے) یا وہ جو رات کے اوقات قیام اور سجدہ میں عبادت کرتے گزارتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے؟ آپ ان سے پوچھیں: کیا جانے والے اور نہ جانے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ [آل زمر: 9] "انہی

جس آیت کی طرف شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے یہ بھی ان آیات میں سے ہے جنہیں ان کے معنی سے ہٹ کر بیان کرتے ہوئے علم و معرفت کی شان ذکر کی جاتی ہے، جا بے علم و معرفت عمل اور تربیت سے عاری ہی کیوں نہ ہوں؛ کیونکہ وہ آیت کا صرف آخری حصہ ذکر کرتے ہیں ابتدا والا حصہ بیان نہیں کرتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ: **(فَلَنْ مَنْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَغْنُمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَغْنَمُونَ)** آیت کا آخری حصہ ابتدائی ہے: **(إِنَّمَا يُوقَنُ أَنَّمَا يَنْهَا اللَّهُ سَاجِدًا وَقَاتِلًا مَعْذَلًا لِآخِرَةٍ وَلَيَزَعُ مُحْكَمَةً زَنْبَه)** کی تفسیر بیان کرتا ہے، چنانچہ اس آیت کے آخری حصے میں جانے والے لوگوں سے مرادوہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے رات کے وقت میں خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا ہو کر قیام کرتے ہیں، اللہ کی جسم سے ڈرتے ہیں اور جنت و رحمت کی امید لگاتے ہیں، اور جو ایسا نہیں کرتے وہی حقیقت میں اس سے غافل ہیں، اب ان دونوں مضموموں میں خود ہی غور و فکر کر لیں!

یہی وجہ ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ "مفتاح دار السعادۃ" (1/89) میں اسی قاعدے کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سلف لفظ فضل کا اطلاق علم پر اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک وہ عمل کے ساتھ مفترون نہ ہوتا" "انہی

تو یہ ہے ہمارے سلف صاحبین کے ہاں فضل کی حقیقت ہے، یعنی وہ علم جس کے ساتھ عمل بھی ہو، تو جس وقت بہت سے تربیت کرنے والوں اور اساتذہ کے ذہنوں سے یہ حقیقت او جمل ہو گئی تو وہ ذہن میں صرف معلومات بغیر کسی عملی تربیت کے داخل کرنے لگے، جن میں دلوں کی اصلاح، نفس کا مقابلہ، اخلاقی تعمیر کا کوئی تصور نہیں، کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ علم سے مراد معلومات اور انہیں سمجھنا ہے اور اس، حالانکہ حقیقت اس کے بر عکس ہے!

اخلاقیات اور دین پر تربیت صرف ربانی افراد کے ہاتھوں ہی ہوتی ہے، چاہے وہ علماء کی صورت میں ہوں یا واعظین، مصلحین اور معلمین کسی بھی صورت میں ہوں۔

ربانی اس شخص کو کہتے ہیں: جس کا رب کریم کے ساتھ علمی، عملی اور تعلیمی تعلق بہت بلند اور نسبت بہت عالی ہو۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

(وَلَكُنْ كُوْنَارَبَدَ تَبِعَنْ بِنَانَشْ تَلْغُمُونَ الْكِتَابَ وَبِنَانَشْ تَمَرَّمُونَ).

ترجمہ: تم سب رب کے ہو جاؤ اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم سمجھاتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے ہو۔ [آل عمران: 79]

امام شوکانی رحمہ اللہ فتح القیر: (1/407) میں کہتے ہیں:

"ربانی: رب کی جانب نسبت ہے، اس میں انت اور نون کا اضافہ مبالغہ کیلئے ہے، جیسے کہ عربی زبان میں بہت بڑی بھی یعنی داڑھی والے شخص کو بھائی کہا جاتا ہے، اسی طرح عربی زبان میں بڑے بالوں والے کو جمہ سے جمانی اور ایسے ہی مونی گردن والے کورقبہ سے رقبانی کہا جاتا ہے۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کی تربیت بڑے علوم سمجھانے سے قبل چھوٹے علوم کے ساتھ کرتا ہے، تو گویا کہ وہ شخص معاملات کی آسانی کرنے میں رب کریم کے طریقے پر پڑتا ہے" "انہی

خلاصہ یہ ہے کہ:

عمل سے عاری باقی کا نام تربیت نہیں ہے، اسی طرح ایمانی مضموم سے خالی محسن معلومات کا مجموعہ بھی تربیت نہیں کہلاتا، بلکہ تربیت کا دار و مدار اس قوت کے حصول پر ہے جس کی دل میں گہرائی بست زیادہ ہو، تربیت لینے والے کے پاس علم اور حلم دوں یا جمیع ہوں، حکمت و فہم، علم و عمل اور اس کی نشر و اشاعت کا جذبہ دل میں ہو۔

یہی وجہ ہے کہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرمان باری تعالیٰ : "وَبِاَكْنَثِمْ تَذَرُّسُون" کے متعلق فرماتے ہیں :

"جو" تذرسون "میں راء پر تشدید پڑھتے ہیں ان پر یہ تفسیر لازم ہے کہ ربانی افراد پر تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ ایک اور چیز کی ذمہ داری بھی عائد کریں، اور وہ یہ ہے کہ تعلیم و تعلم کے ساتھ اپنے من میں مخلص یا حکمت یا حلم سے مزین ہو: تاکہ سبیت کا معنی واضح ہو۔

اور جو اسے "تذرسون" ہی پڑھے تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ ربانی سے مراد ایسے لوگ ہے جو کہ لوگوں کو علم سمجھاتے ہیں، تو پھر اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ تم معلم بن جاؤ: کیونکہ تم علماء ہو اور تم علم سیکھتے ہو۔

اس آیت میں سب سے زیادہ اس بات کی ترغیب ہے کہ جسے علم ہے وہ اس پر عمل بھی کرے، اور علم پر عمل کی سب سے عظیم ترین شکل یہ ہے کہ اسے آگے پہنچانے، اور لیست قائم رکھے "انتشی"

"فتح القدير" (1/407)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ربانی تربیت کا مغزا اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ عملی تربیت ہو، محسن زبانی اور عمل سے عاری تربیت نہیں ہونی چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے مفید رسائلے "فضل علم السلف علی علم الالفاظ" (ص 5) میں لکھا ہے کہ :

"بست سے متاخر لوگوں کو اس فتنے نے اپنے شکنجه میں جھکرایا اور وہ سمجھنے لگے کہ جس شخص کی گفتگو، مناظرے، اور دینی مسائل میں بحث و تحقیص بست زیادہ ہے تو وہ دوسروں سے بڑا عالم ہے !!

حالانکہ یہ ہمایت کی انتہا ہے؛ ذرا اکابر صحابہ کرام اور ان میں سے اہل علم کی جانب دیکھیں : مثلاً : ابو بکر، عمر، علی، معاذ، ابن مسعود اور زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم ان کا کلام ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کم ہے، حالانکہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ علم والے تھے۔

اس طرح تابعین کا کلام صحابہ کرام سے زیادہ ہے، حالانکہ تابعین کرام ان سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

اسی طرح تابعین کا کلام تابعین سے زیادہ ہے، حالانکہ تابعین ان سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

تو معلوم ہوا کہ علم کثرت روایات کا نام نہیں ہے، نہ ہی بست زیادہ کلام کرنے کا نام علم ہے؛ علم ت дол میں ڈالا جانے والا ایک نور ہوتا ہے جس کے ذریعے بندہ حق سمجھ جاتا ہے، اور اس میں حق و باطل کے ما بین امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ انتہائی مختصر عبارت میں ایسی گفتگو کرتا ہے جس کے ساتھ مقصود پورا ہو جاتا ہے "انتشی"

اور حقیقت میں یہی وہ سب سے بڑی مصیبت ہے جو کہ مسلم گھر انوں اور تعلیمی اداروں پر چھاگئی ہے، نیک صاحب اور ربانی علی نو نے مفقود ہیں، جو دوسروں کی تربیت اپنے اقوال کی بجائے اپنے افعال سے کریں، جو دوسروں کو سمجھاتے ہوئے صحیح الفاظ کا چنانچہ اور عمل صاحب سے مدلیں، اس کیلئے حکمت اور دینِ الہی کا درست فہم اختیار کریں اور یہ جانیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیا چاہتا ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"یہ بات جان لو کہ ادب کی مثال بیج جیسی ہے اور ادب سیکھنے والی کی مثال زمین جیسی ہے، اگر زمین خراب ہوگی تو بیج منائع ہو جائے گا اور اگر زمین اچھی ہوئی تو بیج تن آور بن جائے گا"

انتہی

"الآداب الشرعية لابن مفلح" (3/580)

یہی وہ بنیادی چیزیں ہی جن کی وجہ سے علمائے کرام اور مصلحین کی اولادیں نیک اور صاف تھیں، فضیلے کرام اور تربیت کنندگان کی انہی مختوق سے لوگ سدھ رہے تھے، تاہم کچھ چیزیں ایسی میں جن میں اسباب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، ان کا تعلق براہ راست پروردگار کے ساتھ ہوتا ہے جو کہ لوگوں کے اعمال کا بھی خالق ہے، وہی راہ پیدا یت کی رہنمائی کرنے والا ہے، تو زیادہ سے زیادہ تربیت کرنے والے جو کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ انہیں مودب اور مذب بنائیں، لیکن حقیقی اصلاح اور بہتری وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں مقولہ مشور ہے: "الآداب من الآباء، والصلاح من الله" [یعنی: ادب تو والدین سکھلادیتے ہیں، لیکن حقیقی اصلاح اللہ کی جانب سے ہی ہوتی ہے] انتہی
"الآداب الشرعية لابن مفلح" (3/552)

آخر میں ان تمام اہداف کو پانے کا طریقہ چند نکات میں بیان کرتے ہیں:

- 1- سب سے پہلے واعظین اور اساتذہ کرام خودا پہنچنے آپ کو تربیت کی حقیقت سے روشناس کریں۔
- 2- اصلاح کرنے والے افراد تمام مسلمانوں کو ربانی تربیت کے وسائل سے آگاہ کریں۔
- 3- اصلاح کرنے والے افراد مسلم معاشرے کی با اثر شخصیات کے تعاون سے تربیتی مرکوز قائم کریں جو کہ معیار میں تعلیمی اداروں کے ہم پلہ ہوں، اور تربیت کرنے والے ایسے افراد کی تیاری عمل میں آنے جو یہ فریضہ انجام دے سکے۔

واللہ اعلم۔